علامہ اقبال اور ہم

ڈاکٹر اسرار احمد

ایک تقریر جو ۳ مئی ۱۹۷۴ء کو ایچی سن کالج لاہور میں ایک اجتماع منعقدہ بیادِ علامہ اقبال مرحوم میں کی گئی!

خطبہ مسنونہ اور دعا کے بعد:

صدرِ گرامی قدر، مہمانانِ گرامی، محترم پرنسپل صاحب، اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ!

اگرچہ پاکستان کی اس مشہور درس گاہ میں اس سے قبل متعدد بار خطاب کا موقع مل چکا ہے تاہم مجھے شدید احساس ہے کہ آج کے اس اجلاس سے جو بیادِ علامہ اقبال مرحوم منعقد ہو رہا ہے، میرا خطاب کرنا ایک غیر معمولی جرأت ہی نہیں کسی قدر نامناسب جسارت بھی ہے۔

اس کا سبب بالکل واضح ہے یعنی یہ کہ میں نہ زبان و ادب کے میدان کا آدمی ہوں نہ فکر و فلسفے کا، بلکہ میری بنیادی تعلیم سائنس کی ہے اور ثانوی تربیت طبّ و علاج کی۔ جبکہ علامہ اقبال کی دو سب سے زیادہ معروف حیثیتیں یہی ہیں کہ وہ ایک بہت بڑے شاعر بھی ہیں اور ایک عظیم فلسفی اور مفکر بھی۔ لہٰذا علامہ مرحوم کے بارے میں میری تقریر کچھ انمل بے جوڑ سی بات ہے۔ بایں ہمہ، جب مجھے اس تقریب میں حاضر ہو کر اظہارِ خیال کی دعوت دی گئی تو میں نے بغیر کسی پس و پیش یا ردّ و قدح کے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ میرے نزدیک پاکستان میں بسنے والا ہر مسلمان، قطع نظر اس سے کہ وہ عوام میں سے ہو یا خواص میں سے اور بالکل اَن پڑھ اور جاہل ہو یا عالم و فاضل، علامہ مرحوم کے ساتھ سہ گانہ و سہ گونہ رشتوں میں منسلک ہے:

ایک یہ کہ یہ مملکتِ خداداد سرزمینِ پاکستان جس میں ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اقامت گزیں ہیں، اس کا وجود و قیام علامہ مرحوم ہی کے تخیل و تصوّر کا رہینِ منّت ہے ——————

© rasailojaraid.com

دوسرے[۲] یہ کہ وہ عالمی ملّتِ اسلامی اور امّتِ مرحومہ جس سے ہم سب منسلک ہیں، اس دَور میں اُس کی عظمت و سطوتِ پارینہ کا سب سے بڑا مرثیہ خواں بھی اقبال ہے اور اس کے اِحیاء و نشأۃِ ثانیہ کا سب سے بڑا حُدی خواں بھی اقبالؔ ہی ہے ——— تیسرے[۳] یہ کہ وہ دینِ حق جس کے ہم سب نام لیوا ہیں اور جس کے بارے میں کچھ ہی پہلے حالیؔ مرحوم نے کہا تھا:

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے!
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

اس دَور میں خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقے میں اس کے اسرار و رموز کا سب سے بڑا راز دان بھی اقبالؔ ہی ہے اور اس کی روحِ باطنی اور جسدِ ظاہری دونوں کے تجدید و احیاء کے عظیم ترین نقیب کی حیثیت بھی اقبالؔ ہی کو حاصل ہے!

یہ تعلق تو علامہ مرحوم کے ساتھ ہر پاکستانی مسلمان کو حاصل ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ایک چوتھی خصوصی نسبت روحِ اقبالؔ سے یہ ہے کہ ادھر کچھ عرصے سے یہ حقیقت مجھ پر شدت کے ساتھ منکشف ہو چکی ہے کہ احیائے اسلام کی شرطِ لازم تجدیدِ ایمان ہے اور ایمان کا اصل منبع اور سر چشمہ قرآن حکیم ہے۔ گویا ملّتِ اسلامی کی نشأۃِ ثانیہ اور تشکیلِ جدید کی کوشش ہو یا اِحیائے اسلام اور غلبۂ دینِ حق کی جدوجہد، دونوں کا اصل مبنیٰ و مدار اس کے سِوا اور کچھ نہیں کہ مسلمانوں کا قرآن حکیم کے ساتھ صحیح تعلق دوبارہ استوار کیا جائے اور اس حقیقی نسبت کی تجدید کی کوشش کی جائے جو ایک مسلمان اور قرآن کے مابین ہونی چاہیے اور میں دیکھتا ہوں کہ ملّتِ اسلامی اور دینِ حق دونوں کے اِحیاء اور نشأۃِ ثانیہ کے اس طرح قرآن حکیم کے ساتھ وابستہ ہونے کا احساس اسی قدر بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ شدت کے ساتھ علامہ مرحوم کو تھا۔ یغفرُ اللّٰہُ لَہٗ ویرحمہٗ!!

خلاصۂ کلام یہ کہ ——— میں نہ علامہ مرحوم کی شاعری اور ان کی فصاحت و بلاغت یا قدرتِ کلام کے بارے میں کسی ماہرِ فن ناقد کی حیثیت سے کچھ عرض کرنے کا مجاز ہوں ——— نہ ان کے فکر و فلسفے پر خالص فلسفیانہ انداز میں کوئی تبصرہ کر سکتا ہوں ——— بلکہ میں مذکورہ بالا چار نسبتوں ہی کے بارے میں کچھ مختصراً عرض کروں گا:

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

(۱)

مصوّرِ پاکستان

سب جانتے ہیں کہ علامّہ مرحوم بنیادی طور پر سیاست دان نہ تھے، بلکہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے مزاج کو عملی سیاست کے ساتھ سازگار نہ بنا سکے۔ اس کے باوجود انہوں نے برّصغیر ہندوپاک کی مسلمان قوم کے مستقبل کے بارے میں جو کچھ سوچا اور ان کے مسائل کا جو حل پیش کیا وہ ان کی بیدار مغزی اور معاملہ فہمی بلکہ کہنا چاہیے کہ سیاسی تدبّر کا شاہکار ہے۔ ۱۹۳۰ء سے قبل تو سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے، اس کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک ہندوستان کی تقسیم کا خیال تک کسی کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا۔ یہ صرف علامّہ مرحوم ہی کی نگاہِ دُوررس و دُوربین تھی جس نے حالات کے رُخ اور زمانے کی رفتار کو پہچان کر مسلمانانِ ہند کے جملہ مسائل کا حل اسے قرار دیا کہ ہندوستان کے کم از کم شمال مغربی گوشے میں واقع مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک آزاد اور خود مختار مملکت قائم کی جائے!

> آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی
> دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

پاکستان کے ساتھ علامّہ کا تعلق صرف "مصوّر" کا نہیں، اس سے کہیں زیادہ ہے۔ وہ اگرچہ خود عملی سیاست کے مردِ میدان نہ تھے، تاہم حالات کی صحیح نبّاضی اور ان کی سیاسی بصیرت کا دوسرا شاہکار یہ ہے کہ انہوں نے موجود الوقت حالات میں مسلمانانِ ہند کے قومی مقدمے کی پیروی کے لیے صحیح ترین وکیل، ڈھونڈ نکالا اور نہ صرف یہ کہ ان کی نگاہِ دُوررس نے مسلمانانِ ہند کی قیادتِ عظمیٰ کے لیے محمد علی جناح مرحوم کو تاکا بلکہ خود اُن میں اپنی اس حیثیت کا احساس اجاگر کیا۔ اور یہ تو بلاشبہ علامّہ مرحوم کے غایتِ خلوص و اخلاص کا بیّن ثبوت اور ان کے حد درجہ انکسار اور تواضع کی دلیلِ قاطع ہے کہ انہوں نے اس قائد کے ساتھ اس کی تنظیم کے ایک صوبائی صدر کی حیثیت سے کام کرنا بھی منظور کر لیا حالانکہ ان کے مزاج کو اس قسم کے کاموں کے ساتھ کوئی طبعی مناسبت نہ تھی۔ اس طرح علامّہ مرحوم نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کا تصوّر پیش کیا بلکہ اس خاکے میں رنگ بھرنے کی عملی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.co

جدوجہد کے ابتدائی مراحل میں بنفسِ نفیس شرکت بھی کی اور گویا 'تحریکِ پاکستان' کے کارکنوں کی فہرست میں شامل ہو گئے۔

اس اعتبار سے علامہ مرحوم کا ایک عظیم احسان ہر اُس مسلمان کی گردن پر ہے جو پاکستان کی فضا میں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے سانس لے رہا ہے۔ افسوس کہ ہم نے بحیثیتِ قوم خود پاکستان ہی کی قدر نہ کی، علامہ کے احسان کو کیا یاد رکھتے۔ کاش کہ لوگوں کو معلوم ہوتا کہ آزادی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ مملکتِ خداداد پاکستان اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے۔ اسی صورت میں ہمیں علامہ مرحوم کے ذاتی احسان کا بھی کوئی احساس ہو سکتا تھا۔

ہماری اسی ناقدری کا نتیجہ ہے کہ پاکستان کا ایک بازو نہ صرف یہ کہ کٹ کر علیحدہ ہو گیا بلکم ازکم فوری طور پر اس کی کامل قلبِ ماہیت بھی ہو گئی اور اس نے ایک اسلامی یا اس سے بھی کمتر درجے میں ایک مسلمان مملکت کے بجائے ایک لادینی، قومی، سوشلسٹ ریاست کا روپ دھار لیا۔ اس حادثۂ فاجعہ پر بھارت میں جس طرح خوشی منائی گئی اور اسے جس طرح "ہزار سالہ شکست کے انتقام" سے تعبیر کیا گیا اس سے اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو ہندوؤں کے بارے میں کسی حسنِ ظن میں مبتلا تھے۔ اگر مسز اندرا گاندھی اس نہرو خاندان کی بیٹی ہوتے ہوئے جس کی وسیع المشربی ضرب المثل ہے، یہ الفاظ زبان سے نکال سکتی ہے تو "قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا" کے مصداق سوچنے کی بات ہے کہ فرقہ پرست متعصب مزاج ہندو اکثریت کا رویّہ اگر اسے ایک بار ہندوستان میں فیصلہ کن اقتدار حاصل ہو جاتا، تو کیا ہوتا!

حقیقت یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ پاکستان قائم نہ ہوا ہوتا تو نہ صرف یہ کہ اب تک ہندوستان سے اسلام کا صفایا ہو چکا ہوتا بلکہ پورا مشرقِ وسطیٰ ہندو امپیریلزم کے سیلاب کی زد میں ہوتا۔

علامہ مرحوم نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں فرمایا تھا:

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

تو اگرچہ شخصاً تو علامہ مرحوم کا کوئی مقابلہ یا موازنہ حضرتِ مجددؒ کے ساتھ خارج از بحث ہے، تاہم اگر یہ کہا جائے کہ خاص طور پر "ہند میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی" کے اعتبار سے علامہ مرحوم کو ایک

© rasailojaraid

نسبتِ خصوصی حضرت مجدد کے ساتھ حاصل تھی یا یہ کہ علامہ مرحوم کی شخصیت کا یہ پہلو حضرت مجدد کے ساتھ ان کی والہانہ محبت اور عقیدت ہی کا مظہر ہے تو غالباً یہ غلط نہ ہوگا۔

(۲)

قافلۂ ملّی کا حُدی خواں

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کے پیش نظر یہ بات بڑی ہی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانانِ ہند کے قومی مسائل کا ذکر علامہ مرحوم کے اشعار میں کہیں موجود نہیں ہے اور اپنے اشعار میں وہ عالمی ملّتِ اسلامیہ کے نقیب اور قافلۂ ملّی کے حُدی خواں نظر آتے ہیں۔

علامہ مرحوم کی شاعری کے دورِ اوّل میں، جیسا کہ سب کو معلوم ہے، نہ صرف یہ کہ ان کا جذبۂ حُبِّ الوطنی چھلکا پڑتا ہے بلکہ باقاعدہ ہندی قوم پرستی کے آثار بھی ملتے ہیں۔ لیکن 'بانگِ درا' ہی کے نصفِ آخر میں دفعتہً وہ عالمی ملّتِ اسلامیہ کے ترجمان و حُدی خواں کی حیثیت سے نمودار ہو جاتے ہیں اور "ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا" اور "میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے" کی جگہ "چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا، مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا" کا وجد آفریں ترانہ ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ ان دو انتہاؤں کے مابین ہندوستان کے مسلمانوں کے جُداگانہ قومی تشخّص کا مسئلہ جو ان کے سیاسی فکر کا مرکز و محور ہے، ان کے اشعار میں کہیں نظر نہیں آتا۔

میرے نزدیک یہ تصوّر پسندی (IDEALISM) اور حقیقت بینی (REALISM) کا حسین ترین امتزاج ہے جس سے ہمیں علامہ مرحوم کی شخصیّت متّصف نظر آتی ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ یہ "اَصْلُهَا ثَابِتٌ" اور "فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ"[1] کی عمدہ مثال ہے کہ ایک جانب فکر اور خیال انتہائی بلندیوں کو چھو رہے ہوں اور دوسری طرف انسان کا تعلّق اپنے نزدیکی ماحول کے تلخ حقائق سے بھی منقطع نہ ہونے پاتے۔

---

[1] سورۂ ابراہیم کی ایک تمثیل سے ماخوذ: ترجمہ: "اس کی جڑ جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں!"

© rasailojaraid

علاّمہ مرحوم کی ملّی شاعری میں، جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا تھا، دونوں رنگ موجود ہیں، مرثیہ خوانی کا بھی اور حُدی خوانی کا بھی —— پہلے اعتبار سے یُوں سمجھیے کہ انہوں نے شبلی و حالی دونوں کی جانشینی کا فرض ادا کیا اور ملّتِ اسلامیہ کے شاندار اور تابناک ماضی کی یاد سے بھی دلوں کو گداز کیا اور اُمّتِ مرحومہ کی موجودہ زبوں حالی کا نقشہ بھی نہایت مؤثر اور دلدوز انداز میں کھینچا۔ مثال کے طور پر حالی کے یہ اشعار ملاحظہ فرمایئے: ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے — اُمّت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے — اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد — دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اور پھر پڑھیے وہ نظم جو "صقلیہ" (جزیرہ سسلی) پر علاّمہ مرحوم نے کہی اور اندازہ کیجئے اقبال کی ملّی مرثیہ خوانی کا!

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونبابہ بار! — وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار!
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی — بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے — بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اِک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور — کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور
مردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہوا — آدمی آزاد زنجیرِ توہّم سے ہوا
غلغلوں سے جس کے لذّت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہے؟

یا پڑھیے 'بانگِ درا' میں اس کے قریب ہی کی وہ نظم جو "بلادِ اسلامیہ" کی یاد میں کہی گئی۔ اور جس میں دلّی، بغداد، قرطبہ اور قسطنطنیہ ایسے عروس ہائے بلاد میں سے ایک ایک کا نام لے لے کر انتہائی رقّت انگیز پیرائے میں اُمّتِ مسلمہ کی عظمتِ گزشتہ و سطوتِ پارینہ کا مرثیہ پڑھا گیا۔
یا پڑھیے علاّمہ اقبال کی وہ طویل نظم جو "مسجدِ قرطبہ" کے عنوان سے 'بالِ جبریل' میں شامل ہے۔ اس میں فکر و خیال کی عام بلند پروازی کے علاوہ جذبۂ ملّی کی جو بے قراری از ابتدا تا انتہا جاری و ساری

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہے اس سے بھی قطع نظر صرف وہ اشعار پڑھیے جو براہِ راست مسجد قرطبہ سے مخاطب ہو کر کہے گئے ہیں' اور اندازہ کیجئے جذباتِ ملّی کے اس طوفان کا جو اس "کافرِ ہندی" کے قلب میں موجزن تھا!! اور غور کیجئے اس کے دو آخری بندوں پر کہ کس خوبصورتی کے ساتھ امّتِ مرحومہ کی تجدید و احیاء کا پیغام دیا گیا اور کیسے جذبہ پرور انداز میں ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ کی دعوت دی گئی۔

اور یہی در اصل علاّمہ مرحوم کی ملّی شاعری کا وہ مثبت اور تعمیری پہلو ہے جو انہیں ملّت کے سابق مرثیہ خوانوں سے ممتاز اور ممیّز کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ علاّمہ کے یہاں صرف درد انگیز نالے ہی نہیں ہیں انتہائی ولولہ انگیز پیغامِ عمل بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک شاندار مستقبل کی خوشخبری بھی ہے جس نے یاس اور قنوطیّت کی ظلمت کا پردہ چاک کر دیا اور دلوں میں امّید کے چراغ روشن کر دیئے۔

یُوں تو علاّمہ کے اشعار میں یہ امّید افزا پیغام گویا رچا بسا ہوا ہے' چنانچہ بانگِ درا کے متوسط حصّے میں بھی جابجا یہ رنگ موجود ہے کہ:

ے
عکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو اُلٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

اور

ے
اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

لیکن خاص طور پر "طلوعِ اسلام" تو گویا از اوّل تا آخر ایک مطلعِ رحیل' ہے:-

ے
سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا — خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے — یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے — کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنّم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!

اور

ے
سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

علامہ مرحوم کی یہ ملی شاعری، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، حدودِ ارضی سے بالکل آزاد ہے اور ان کے اشعار کو پڑھتے ہوئے کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ ان کا قائل کبھی ایک محدود خطۂ ارضی میں بسنے والے مسلمانوں کے خصوصی مسائل کے بارے میں بھی غور کرتا ہوگا۔ گویا ان کی شاعری "وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ"[1] کے ہر شائبے سے بالکل پاک ہے۔ اندازہ کیجئے کہ ایک ہندی مسلمان ارضِ لاہور میں بیٹھا کہہ رہا ہے کہ :-

طہران[2] ہو گر عالمِ مشرق کا جنیوا شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

لیکن دوسری طرف اپنے گردوپیش سے بھی بے خبر نہیں ہے بلکہ حالات کی نبض پر ہاتھ دھرے مسلمانانِ ہند کے مسائل کی تشخیص بھی کر رہا ہے اور ان کا حل بھی پیش کر رہا ہے!

ملّتِ اسلامیہ کی تجدید اور اُمّتِ مرحومہ کی نشاۃِ ثانیہ کی جو فوری اُمید علامہ کو تھی، محسوس ہوتا ہے کہ عمر کے آخری دَور میں اسے بہت سے صدموں سے دوچار ہونا پڑا اور شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بعد میں ایک قسم کی نااُمیدی اور یاس کی سی کیفیت بھی علامہ مرحوم پر طاری ہو گئی تھی، جو مثلاً اس قسم کے اشعار سے ظاہر ہے کہ :

؎ نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ رُوحِ شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی!

اور

---

[1] سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۷۶ کا ایک ٹکڑا۔ ترجمہ: "لیکن وہ تو زمین کی جانب ہی جھکتا چلا گیا!"

[2] یہ دُوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت طہران کی بجائے ارضِ لاہور کو عطا فرما دی جہاں ملّتِ اسلامیہ کا یہ حُدی خواں مدفون ہے۔ ابھی جو عالمی اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی تھی اس کے موقع پر جناب وقار انبالوی نے علامہ مرحوم کی روح سے خطاب کر کے کیا خوب کہا ؎

اے دیدۂ بیدارِ خودی! مردِ قلندر! رحمت ہے خدا کی ترے افکارِ مبیں پر
لاہور بنا ہے تری ملّت کا جنیوا کیا رنگِ بہاراں ہے گلستانِ یقیں پر
تعبیر سے ہم دوش ہے اقبال ترا خواب مسرور ہو تو خلد میں جمعیتِ دیں پر

© rasailojaraid.com

تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں
ڈھونڈ چکا میں موج موج' دیکھ چکا صدف صدف!

لیکن اس کا اصل سبب یہ ہے کہ علامہ مرحوم نابغہ (GENIUS) اشخاص میں سے تھے' جن کے بارے میں یہ مسلّم ہے کہ وہ وقت سے پہلے پیدا ہوتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ اپنے زمانے سے قدرے بعد کی باتیں کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقویم میں تیس چالیس سال کا عرصہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ علامہ مرحوم نے جس دور کا خواب دیکھا تھا اس کی ابتدا ہو رہی ہے[1]۔

---

[1] (پ۔ ن۔ نومبر ۹۴ء) یہ بات راقم نے ۳ مئی ۱۹۷۲ء کو کہی تھی اور بحمد اللہ ایک سال سے کم مدت کے اندر اندر [illegible] ہو گئی تھیں۔ چنانچہ ایک[1] طرف اکتوبر ۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ میں ایک بالکل نیا نقشہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا۔ چنانچہ وہی عرب جو بزدل اور بھگوڑے مشہور ہو گئے تھے' ان کی بہادری' جرأت اور جانبازی کے چرچے عام ہو گئے اور وہ عالم عرب جس کا اختلاف و افتراق ضرب المثل بن چکا تھا دفعتہً ایک متحد قوت کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آن کھڑا ہوا —— یہاں تک کہ یہ "کنجشکِ فرومایہ" تیل کا ہتھیار استعمال کر کے امریکہ ایسے "شاہین" سے لڑ گیا! دوسری[2] طرف فروری ۷۴ء کی عالمی اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ لاہور نے عالمِ اسلام کے اتحاد کا ایک نہایت دلفزا منظر چشمِ عالم کے سامنے پیش کر دیا جس کی اہمیت کا اصل اندازہ اس سراسیمگی سے لگایا جا سکتا ہے جو اس وقت بھارت اور اس کے کار پردازوں پر طاری ہو گئی تھی۔

یہ دوسری بات ہے کہ علامہ اقبال ہی کے ان اشعار کے مصداق کہ ؎ دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش۔ تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا!" اور "اللہ کو پامردئ مومن پہ بھروسہ۔ ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا!" دنیا کی ابلیسی قوتوں نے احیاء دین و ملّت کی اس چڑھتی لہر کو نہ صرف روک دیا بلکہ پسپائی پر مجبور کر دیا۔ تاہم اس کے بعد سے اب تک یہ لہر اتار اور چڑھاؤ کے کئی ادوار سے گزر کر بہر حال اس حد تک آگے بڑھ آئی ہے کہ پوری مغربی دنیا "مسلم فنڈامنٹلزم" سے خائف نظر آتی ہے۔ اور اگرچہ ابھی احیاء دین و ملّت کا یہ عمل مستقبل قریب میں بعض بڑے بڑے صدمات سے دوچار نظر آتا ہے تاہم بالآخر جو نوید جانفزا اقبال نے دی تھی وہ الفاظ قرآنی "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" اور احادیثِ نبویہ میں وارد شدہ پیشینگوئیوں کے مطابق لازماً پوری ہو کر رہے گی۔ اور ع "بتا رہی ہے یہ ظلمت شب کہ صبح نزدیک آ رہی ہے!" کے مصداق حوادث و واقعات عالم کی تیز رفتاری بتا رہی ہے کہ بالآخر پورے کرۂ ارضی پر "خلافت علیٰ منہاج النبوت" کے نظام کا قیام اب بہت زیادہ دور نہیں ہے!

(اسرار احمد ۸ نومبر ۹۴ء)

© rasailojaraid.com

(۳)

رُومیٔ ثانی

جہاں تک دینِ حق کے اسرار و رموز اور حقائق و معارفِ ایمانی اور علم و حکمتِ قرآنی کی ترجمانی کا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ علامہ مرحوم رومیٔ ثانی تھے! انہوں نے علی الاعلان مولانا روم کو اپنا شیخ تسلیم کیا ہے اور "پیرِ رومی" کے ساتھ بحیثیت "مریدِ ہندی" ان کے مکالمات ان کے کلام کی زینت ہیں بلکہ ایک مقام پر انہوں نے اپنی اس نسبت کا ذکر قدرے فخریہ انداز میں بھی کیا ہے یعنی ع

"برہمن زادہ رمز آشنائے رُوم و تبریز است!" (۱)

اب اگر مثنویٔ مولانا روم کے بارے میں عارف جامیؔ کے یہ اشعار مبنی برحقیقت ہیں کہ:

مثنویٔ مولویٔ معنوی — ہست قرآں در زبانِ پہلوی (۲)

من چہ گویم وصفِ آں عالیجناب — نیست پیغمبر و لے دارد کتاب (۳)

تو یقیناً علامہ اقبال مرحوم بھی دورِ حاضر کے "ترجمان القرآن" قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔

علامہ مرحوم خود بھی اس کے مدعی ہیں کہ ان کے اشعار فکر و پیغامِ قرآنی ہی کی ترجمانی پر مشتمل ہیں اور اس پر انہیں اس درجہ وثوق اور اعتماد ہے کہ انہوں نے "مثنوی اسرار و رموز" کے آخر میں "عرضِ حالِ مصنّف بحضور رحمۃٌ للعالمین ؐ" کے ذیل میں یہاں تک لکھ دیا کہ:

گر دلم آئینہ بے جوہر است — ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است (۴)

پردۂ ناموسِ فکرم چاک کُن — ایں خیاباں را ز خارم پاک کُن (۵)

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا!

بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا! (۶)

آخری مصرع کو پڑھ کر ہر وہ شخص کانپ اٹھتا ہے جسے کسی بھی درجے میں علامہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اندازہ ہے ——— اور واقعہ یہ ہے کہ خود میں نے جب بھی یہ اشعار پڑھے ایک مرتبہ ضرور جھرجھری سی آگئی اور دل لرز اٹھا کہ اللہ اکبر! اپنے حق میں اتنی بڑی بددعا! لیکن پھر اس خیال سے تسکین ہوتی رہی کہ دراصل اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مرحوم کو کس

© rasailojaraid.com

درجہ پختہ یقین تھا اس بات پر کہ انہوں نے اپنے کلام میں قرآن ہی کی ترجمانی کی ہے[1]۔

۱۔ رُوحِ دین کی تشریح و تعبیر

جہاں تک روحِ دین کی تشریح و تعبیر کا تعلق ہے علامہ مرحوم کی خدمات کو منفی و مثبت دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ــــــ چنانچہ ایک طرف انہوں نے بنیادی اعتقادات اور اساسی فکر کے ضمن میں ہمہ اوستی نظریات اور شیخ ابن عربی کے نظریۂ وحدت الوجود کی عامیانہ تعبیرات کی پُرزور تردید کی اور جواباً وہ نظریہ پیش کیا جو اقبال کے فلسفۂ خودی کے نام سے موسوم ہے اور اصلاً حضرت مجددؒ کے نظریۂ وحدت الشہود سے مشابہ ہے ــــــ اور دوسری طرف عبادات کے میدان میں نری رسم پرستی (RITUALISM) کی زور دار نفی کی اور اثباتاً عبادت کی اصل رُوح یعنی عشق و محبتِ خداوندی پر زور دیا۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جہاں تک ہمہ اوست کی مختلف تعبیروں کے مابین فرق یا ابن عربی کے نظریۂ وحدت الوجود کی باریکیوں کا تعلق ہے، ان کی وضاحت کا یہ مناسب موقع ہے

---

[1] یہاں راقم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ چند سال قبل جب مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہٗ آنکھ کے آپریشن کے لیے لاہور میں مقیم تھے اور آپریشن میں کسی وجہ سے تاخیر ہو رہی تھی تو فرصت کے اس وقت کا مصرف مولانا نے یہ نکالا کہ علامہ اقبال کا پُورا اُردو اور فارسی کلام از ابتدا تا انتہا نظر سے گزار لیا۔ لاہور کے تمام رفقاء و احباب جانتے ہیں کہ اس کے نتیجے کے طور پر طویل عرصے تک ایک خاص کیفیت مولانا پر طاری رہی اور حسبِ عادت مولانا نے اپنے تاثر کا اظہار بھی برملا اور واشگاف الفاظ میں فرمایا۔ اس سلسلے میں مولانا کے تاثر کی شدت کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل دو جملوں سے لگایا جاسکتا ہے جو راقم الحروف کے حافظے میں محفوظ رہ گئے ہیں:
ایک یہ کہ "قرآن حکیم کے بعض مقامات کے بارے میں مجھے کچھ مان سا تھا کہ میں نے ان کی تعبیر جس اسلوب سے کی ہے شاید کوئی اور نہ کرسکے لیکن علامہ اقبال کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ وہ ان کی تعبیر مجھ سے بہت پہلے اور مجھ سے بہت بہتر کرچکے ہیں!" دوسرے یہ کہ "اقبال کا کلام پڑھنے کے بعد میرا دل بیٹھ سا گیا ہے کہ اگر ایسا حُدی خواں اس اُمت میں پیدا ہوا لیکن یہ اُمت ٹس سے مس نہ ہوئی تو ہما شما کے کرنے سے کیا ہوگا!" (اسرار احمد)

© rasailojaraid.c

نہ ہی میں اس کا اہل ہوں اور نہ ہی اس کا اصل مسئلے سے کوئی تعلق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مسائل بہت دقیق ہیں اور ان کا سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اصل خرابی اس طرح واقع ہوئی کہ ان نظریات کا پرچار اشعار کے ذریعے کیا گیا جو زبان زدِ خواص و عوام ہو گئے۔ اب خواص نے تو انہیں ہضم بھی کر لیا اور رچا پچا کر جزوِ بدن بھی بنا لیا لیکن عوام کے لیے یہ زہرِ ہلاہل بن گئے اور انہوں نے ان کو عمل سے گریز اور فرار کا بہانہ بنا لیا۔

اقبال کا جہاد اصلاً ان نظریات کے اُن عمومی اثرات ہی کے خلاف ہے جو حافظؔ اور جامیؔ کے اشعار کے ذریعے عوام کے اذہان پر مترتّب ہوئے اور جن کے نتیجے میں اُمّت کے ایک بڑے حصّے میں سکر، جذب، مستی اور بالآخر فنا کا ذوق تو پیدا ہو گیا لیکن عمل اور جہاد کا جذبہ ختم ہوتا چلا گیا۔

فلسفۂ خودی بدقسمتی سے علّامہ مرحوم کے فلسفۂ خودی نے مختلف بلکہ متضاد تشریحوں اور تعبیروں کے باعث ایک چیستاں کی صورت اختیار کر لی ہے اور معاملہ بالکل وہی ہوا ہے کہ

ع "شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا!"

آسان تفہیم کے لیے یُوں کہا جا سکتا ہے کہ علّامہ کے فلسفے کا بنیادی پتھر انسان کی ہستی کی نفی کے بجائے اثباتِ ذاتِ خویش ہے۔ نتیجتاً ان کے پیشِ نظر "سلوک" کی انتہائی منزل "فنا فی اللہ" نہیں بلکہ "بقا باللہ" ہے۔ اس نکتے کی وضاحت کے لیے اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے میں خود علّامہ مرحوم کی اس تحریر کے بعض حصّے آپ کو سناتا ہوں جو انہوں نے پروفیسر نکلسن کی اس فرمائش پر کہ علّامہ اپنے فلسفیانہ خیالات کو ایک مختصر لیکن جامع مضمون کی صُورت میں بزبانِ انگریزی تحریر کر دیں، سپردِ قلم کی تھی اور جسے پروفیسر موصوف نے "مثنوی اسرارِ خودی" کے ترجمے (SECRETS OF THE SELF) کے شروع میں شائع بھی کر دیا تھا (مطبوعہ ۱۹۲۱ء)۔ اپنی اس تحریر میں علّامہ فرماتے ہیں:

"ظاہر ہے کہ کائنات اور انسان کے بارے میں میرا یہ نظریہ ہیگل اور اس کے ہم خیالوں اور اربابِ وحدت الوجود سے بالکل مختلف ہے، جن کے خیال میں انسان کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ وہ خدا یا حیاتِ کلّی میں جذب ہو جائے اور اپنی انفرادی ہستی کو مٹا دے ——— میری رائے میں انسان کا اخلاقی اور مذہبی منتہائے مقصود یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ہستی کو مٹا دے یا اپنی خودی کو فنا کر دے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی انفرادی

© rasailojaraid.com

ہستی کو قائم رکھے . . . قرب الٰہی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان خدا کی ذات میں فنا ہو جائے بلکہ اس کے برعکس یہ کہ خدا کو اپنے اندر جذب کرلے[۱] . . . میں نے افلاطون کے فلسفے پر جو تنقید کی ہے اس سے میرا مطلب ان فلسفیانہ مذاہب کی تردید ہے جو بقا کے عوض فنا کو انسان کا نصب العین قرار دیتے ہیں . . . ان مذاہب کی تعلیم یہ ہے کہ مادّہ کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس سے گریز کرنا چاہیے۔ حالانکہ انسانیت کا جوہر یہ ہے کہ انسان مخالف قوتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور انہیں اپنا خادم بنالے اس وقت انسان "خلیفۃ اللہ" کے مرتبے کو پہنچ جاتے گا[۲] . . . "

میں اگر اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کروں تو وہ یوں ہوگی کہ اس پورے سلسلۂ کائنات مادّی اور تمام عالم کون و مکان کی طرح خود انسان کا مادّی وجود یا اس کا وجود حیوانی بھی خالص وہمی وخیالی اور اعتباری محض ہے، سوائے اس کی اَنا یا مَن یا ذات یا خودی کے جو دراصل عبارت ہے اس کی اس رُوح سے جو اس کے وجودِ حیوانی میں پھونکی گئی اور جس کی اضافت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی طرف کی ہے بلحوائے آیۂ قرآنی: "فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ[۳]" یعنی جب میں اس کو پوری طرح درست کردوں اور اس میں اپنی رُوح میں سے پھونک دوں تب گر پڑنا اس کے لیے سجدے میں! ——— یہ روحِ انسانی نہ وہمی وخیالی ہے نہ عارضی و فانی بلکہ حقیقی اور واقعی بھی ہے اور دائم و باقی بھی! خدا یا روحِ کائنات یا انائے کبیر اور اس روحِ انسانی یا انائے صغیر میں ایسا قریبی رابطہ اور لازم و ملزوم کا رشتہ ہے کہ انسان اسے

۱؎ ا: یہاں علامہ مرحوم نے "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہِ" کا حوالہ بطور حدیثِ رسولؐ دیا ہے لیکن اصلاً یہ الفاظ کسی حدیث کے نہیں بلکہ صوفیا کے ایک مشہور مقولے کے ہیں!

۲: غالباً یہی مفہوم ہے علامہ مرحوم کے اس مشہور مصرع کا کہ ؏ یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ!

۲؎ یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل — یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات!
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست — یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

۳؎ سورۃ الحجر آیت ۲۹ اور سورۃ ص آیت ۷۲

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

پہچان لے تو خدا کو جان جاتا ہے[۱] اور اگر اسے نہ پہچان پائے تو کبھی خدا کی معرفت بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ یا عکسائیوں کہہ لیں کہ اگر کوئی خدا کو پہچان لے تو اپنی عظمت سے واقف ہو جاتا ہے اور اگر خدا کو بھلا دے تو اپنی حقیقت بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے[۲]۔

خالق و مخلوق اور عبد و معبود یا انائے کبیر اور انائے صغیر یا علامہ کے الفاظ میں انائے مطلق (INFINITE EGO) اور انائے محدود (FINITE EGO) کے مابین اصل رشتہ باہمی عشق اور محبّت کا ہے بلفوائے آیاتِ قرآنی:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرة: ۱۶۶) — اور (حقیقی) ایمان والے سب سے زیادہ شدید محبت کرتے ہیں خدا کے ساتھ!

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ (الصّف: ۵) — یقیناً اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے[۳] اُن لوگوں سے جو جنگ کرتے ہیں اس کی راہ میں .....

اور اسی باہمی رشتۂ الفت و محبّت کا مظہرِ خارجی ہے جسے قرآن "ولایتِ باہمی" سے تعبیر کرتا ہے:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (البقرة: ۲۵۸) — اللہ اہلِ ایمان کا ولی ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس: ۶۲) — آگاہ ہو جاؤ اللہ کے ولیوں کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ حزن!

اب ظاہر ہے کہ جس کسی کو اس عشق کی حقیقی لذّت حاصل ہو گئی وہ اس کے دوام و بقا کا خواہشمند ہو گا نہ کہ اس کے انقطاع اور خاتمے کا! اور ظاہر ہے کہ بقائے رشتۂ عشق بقائے ذات پر منحصر ہے اور

۱؎ یہ ترجمہ ہے صوفیاء کے اس مقولے کا جو عموماً حدیثِ رسول کی حیثیت سے بیان کر دیا جاتا ہے یعنی:
"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"

۲؎ یہ ترجمہ ہے آیۂ قرآنی کا "وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝" (سورۃ الحشر آیت ۱۹)

۳؎ اس آیۂ کریمہ کو پڑھتے ہوئے میرا ذہن علّامہ مرحوم کے اس شعر کی جانب لازماً منتقل ہو جاتا ہے کہ ؎
محبّت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فنائے ذات کا لازمی نتیجہ خاتمۂ عشق ہے۔ بس یہیں سے علّامہ مرحوم کے فلسفے کا دوسرا اہم نکتہ سمجھ میں آسکتا ہے یعنی عشقِ خداوندی اور اس کا دوام اور محبّتِ الٰہی اور اس کا "سوزِ ناتمام"۔ ؎

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ ناتمام! (۷)

یا دوامِ ما ز سوزِ ناتمام است چو ماہی جز تپش بر ما حرام است! (۸)

یا ہر لحظہ نیا طُور، نئی برقِ تجلّی، اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

الغرض اثباتِ ذاتِ خویش اور دوامِ عشقِ الٰہی علامہ مرحوم کے فلسفۂ خودی کے دو ستون ہیں، اور یہ دونوں ظاہر ہے کہ باہم لازم و ملزوم ہیں۔ علامہ کے ان دو اشعار میں ان کا یہ باہمی لزوم بہت نمایاں ہے یعنی ؎

میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی!

اور ؎

نہ ہو طغیانِ مشتاقی تو میں رہتا نہیں باقی کہ میری زندگی کیا ہے؟ یہی طغیانِ مشتاقی!

یہ عرض کرنا تحصیلِ حاصل ہے کہ اسی عشقِ الٰہی کا ایک عکس عشقِ رسولؐ بھی ہے۔ اس لیے کہ کون ہے جو نہیں جانتا کہ اطاعت و محبّت دونوں کے اعتبار سے اللہ اور رسولؐ ایک وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ مرحوم کے کلام میں عشقِ رسولؐ کا جذبہ تانے بانے کے مانند پیوست ہے۔ جیسے ؎

ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست! (۹)

یا بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است! (۱۰)

رُوحِ شریعت: عشقِ الٰہی

روحِ دین کی تعبیر کے ضمن میں، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا، علامہ مرحوم کی دوسری بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے نِری رسم پرستی اور خشک فقہی و قانونی موشگافی کی پُرزور مذمت کی اور دین و شریعت کے جملہ مظاہر کی اصل رُوح باطنی عشقِ الٰہی کو قرار دیا۔ اپنے مرشد کے اتباع میں جس نے نعرہ لگایا تھا کہ ؎

شاد باد اے عشقِ خوش سودائے ما! اے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما! (۱۱)

انہوں نے بھی واشگاف الفاظ میں کہا ؎

© rasailojaraid.com

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات!

اور ؎

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا سجود بھی حجاب! میرا قیام بھی حجاب!

اور فریاد کی کہ ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

یا رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

اس لیے کہ جملہ اعمال کی روح عشقِ الٰہی ہے۔ اسی کی لپک بلالؓ کی اذان میں تھی اور اسی کی دمک تلقینِ غزالیؒ میں! بقول علامہ مرحوم: ؎

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!

عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام!

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات!

اور ؎

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق!
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!

۲۔ نظامِ دین کی توضیح و تفسیر

نظامِ دینِ حق کی جو تشریح علامہ مرحوم کے کلام میں نظر آتی ہے اُسے بغرضِ تفہیم تین اجزا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، اور یہ تینوں درحقیقت ایک ہی مرکزی نکتے کی شرح اور ایک ہی "نقطۂ توحید" کی توسیع (Extension) کی حیثیت رکھتے ہیں:

ع "یہ سب کیا ہیں بجز اِک نکتۂ ایماں کی تفسیریں!"

(ا) مثلاً عام تمدنی اور معاشرتی سطح پر وحدتِ خالق ہی وہ اساسی تصور ہے جس سے وحدتِ انسانیت کا خیال جنم لیتا ہے اور جس میں مزید گہرائی و گیرائی وحدتِ آدم کے تصور سے پیدا ہوتی ہے اور نتیجۃً انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے اصول مستنبط ہوتے ہیں، چنانچہ نظامِ دینِ حق کے اس پہلو پر بہت زور علامہ کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ میں اس وقت طوالت کے خوف سے ان دو اشعار پر اکتفا کرتا ہوں۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

مردِ مومن کی شان میں علامہ مرحوم فرماتے ہیں: ؎

کُلُّ مُؤمِنٍ اِخوَۃٌ اندر دِلش   حُریت سرمایۂ آب و گِلش   (۱۲)

ناشکیبِ امتیازات آمدہ   در نہادِ اُو مساوات آمدہ   (۱۳)

(ب) اسی طرح ہیئتِ سیاسی کے ضمن میں توحیدِ الٰہی ہی کے اصلُ الاصول سے مستنبط ہوتا ہے یہ اساسی قاعدہ کہ حاکمیت صرف خدا کے لیے ہے، ما سویٰ کی حاکمیت پر مبنی نظامِ سیاسی مجسّم شرک ہے۔ غور کیجئے کہ کتنے سادہ لیکن پرشکوہ الفاظ میں ادا فرمایا ہے علامہ مرحوم نے یہ قاعدہ کلیہ: ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے   حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

کسی ہیئتِ سیاسی میں تصوّرِ حاکمیّت کے بعد سب سے اہم مسئلہ "امرِ جامع" کا ہے یعنی یہ کہ اُس ہیئتِ سیاسی میں شریک افراد کو باہم ایک دوسرے سے جوڑنے والی چیز کون سی ہے! اس ضمن میں اس زمانے میں وطنی قومیت کا جو تصوّر پوری دنیا میں رائج ہے، حیرت ہوتی ہے کہ علامہ مرحوم نے اس کی شناعت کا احساس کس شدّت سے کیا اور اس شجرِ خبیثہ کی خباثت کا کس قدر صحیح اندازہ لگایا۔ سنیئے اور سر دُھنیے: ؎

اس دَور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور   ساقی نے بنا کی روشِ لُطف و ستم اور

مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور   تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے   غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے

بازو ترا توحید کی قوّت سے قوی ہے   اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے

اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے

(ج) یہی معاملہ نظامِ معیشت کا بھی ہے۔ توحید کا اصول جس طرح حاکمیّت اور قومیّت کے تمام مرّوجہ تصورات کی نفیِ کلّی ہے، اسی طرح ملکیّتِ مطلقہ کے عام تصوّر کی بھی کامل نفی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر "مُلک" "اللہ" کا ہے تو "مِلک" بھی اللہ ہی کی ہے اور اگر زمین و آسمان اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کا "مَلک" (بادشاہ) اللہ ہے تو یقیناً "مالک" بھی اللہ ہی ہے۔

گویا انسان خود بھی اللہ کا ہے (اِنَّا لِلّٰہِ) اور جو کچھ اس کے پاس ہے، خواہ وہ اس کی اپنی ذات اور اس میں مخفی قوتیں، صلاحیتیں اور اس کی مہلتِ عمر ہوں، خواہ اس کا مال و اسباب یا زمین و جائیداد، سب اصلاً اللہ کی ملکیت ہیں اور اس کے پاس اللہ کی امانت، جس میں تصرّف کا اختیار تو اسے دیا گیا ہے لیکن اصل مالک کے احکام کے اندر اندر۔ ملکیت کے بجائے امانت کا یہ تصور توحید کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے جس سے کوئی فرار ممکن نہیں۔ بقول شیخ سعدیؒ: ؎

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست

درحقیقت مالکِ ہر شے خداست (۱۴)

افسوس کہ جب دینِ الٰہی کے چہرے پر از منۂ وسطیٰ کے جاگیردارانہ نظام کی نقاب پڑ گئی تو اس کے روئے منور کے دوسرے خدّوخال کی طرح یہ حقیقت بھی نگاہوں سے اوجھل ہوتی چلی گئی اور یہ علاّمہ مرحوم کی ژرف نگاہی اور حقیقت بینی کا شاہکار ہے کہ انہوں نے نکتۂ توحید کی اس لازمی توسیع (EXTENSION) کو بھی صد درجہ واضح الفاظ میں بیان کر دیا: ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف | منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب | پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

اور ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟ | کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار؟ | خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب؟ | موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب؟

دِہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں، تیری نہیں!

تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں، میری نہیں!

نہ صرف یہ بلکہ مرحوم نے اس اصول کو بھی بہت وضاحت کے ساتھ پیش فرما دیا جو تاریخ انسانی کے دوران پہلی بار خلافتِ راشدہ کے زمانے میں حضرت عمرؓ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا تھا، یعنی ریاست کی جانب سے تمام شہریوں کی کفالتِ عامّہ۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

© rasailojaraid.com

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس — نکتۂ شرعِ مبیں ایں است و بس ! (۱۵)

اور ؎

جو حرفِ قُلِ الْعَفْوَ میں پوشیدہ ہے اب تک — اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار !

اس سلسلے میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں علامہ مرحوم کے یہ اشعار :

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ — دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ ! (۱۶)
ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو ! — لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا ! (۱۷)
از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن! — کس نداند لذتِ قرضِ حسن (۱۸)
از ربا جاں تیرہ، دل چوں خشت و سنگ — آدمی درندہ بے دندان و چنگ (۱۹)
رزقِ خود را از زمیں بُردن رواست — ایں متاعِ بندہ و مُلکِ خداست (۲۰)
بندۂ مومن امیں، حق مالک است — غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است (۲۱)
رایتِ حق از ملوک آمد نگوں — قریہ ہا از دخلِ شاں خوار و زبوں (۲۲)

آب و نانِ ماست از یک مائدہ
دودۂ آدم "کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ" (۲۳)

نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست — نقش ہائے کاہن و پاپا شکست (۲۴)
با مسلماں گفت جاں بر کف بنہ — ہر چہ از حاجت فزوں داری بدہ (۲۵)

محفلِ ما بے مے و بے ساقی است
سازِ قرآں را نواہا باقی است[1] (۲۶)

---

[1] اشارہ ہے اس حدیثِ نبویؐ کی طرف جس میں خبر دی گئی ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ اسلام میں سے سوائے اس کے نام کے کچھ باقی نہ رہے گا اور قرآن میں سے بھی سوائے اس کے رسم الخط کے کچھ باقی نہ رہے گا۔
(رواہ البیہقی عن علیؓ)

© rasailojaraid.co

(۴)

اقبال اور قرآن

اب میں اس چوتھی اور آخری بات کے بارے میں کچھ عرض کر کے اپنی گزارشات ختم کردوں گا جس کے ضمن میں مَیں نے ابتداء میں یہ عرض کیا تھا کہ میرا گمان ہے کہ مجھے علامہ مرحوم کی روح سے ایک خصوصی نسبت حاصل ہے ـــــ یعنی مرحوم کا تعلق قرآنِ حکیم سے۔ اس موضوع کا اہم ترین حصّہ تو پہلے ہی زیرِ بحث آچکا ہے۔ یعنی یہ کہ علامہ مرحوم کی حیثیت فی الواقع "ترجمان القرآن" کی ہے' اور جیسا کہ خود اُن کا دعویٰ ہے ان کا فکر بھی قرآن ہی پر مبنی ہے اور ان کا پیغام بھی قرآن ہی سے ماخوذ ہے لہٰذا اب میں اس موضوع کے بعض ضمنی مگر نہایت اہم پہلوؤں کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کراؤں گا

ا: عظمتِ قرآن کا نشان

اس سلسلے میں سب سے پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ میرے نزدیک اس دَور میں علامہ مرحوم کی شخصیّت عظمتِ قرآن کے ایک عظیم عَلَم اور نشان (SYMBOL) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ ایک عام آدمی کا متوارث عقیدے کے طور پر قرآن مجید کو اللہ کی کتاب ماننا اور بات ہے' اور ایک ایسے شخص کا قرآن پر وثوق و اعتماد اور ایمان و یقین جو فکرِ انسانی کی تمام وادیوں میں گھوم پھر چکا ہو اور مشرق و مغرب کے تمام فلسفے کھنگال چکا ہو، بالکل دوسری بات ہے۔

سب جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل اور عظیم ترین معجزہ قرآنِ حکیم ہے۔ اب خود اعجازِ قرآنی کے پہلو بے شمار اور بے حد و نہایت ہیں جن کا احاطہ یا احصاء کسی فردِ بشر کے لیے ممکن نہیں۔ اور میرے نزدیک اس دَور میں اعجازِ قرآنی کا عظیم ترین مظہر یہ ہے کہ وہ کتاب جسے دنیا کے سامنے آج سے چودہ سو برس قبل عرب کے ایک اُمّی شخص (صلی اللہ علیہ وسلم و فداہ ابی و امی) نے پیش کیا تھا' آج بھی جبکہ دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے' مادّی علوم انتہائی بلندی کو چھُو رہے ہیں اور علم و ہنر کی دنیا میں انقلاب آچکا ہے' نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کی جملہ ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے!

اور اسی کی ایک گواہی اور شہادت ملتی ہے علامہ مرحوم کی زندگی سے کہ ایک شخص جس نے انیسویں صدی کے اواخر میں شعور کی آنکھ کھولی۔ پھر یہ نہیں کہ پوری زندگی "بسم اللہ کے گنبد" ہی

© rasailojaraid.com

میں بسر کر دی ہو بلکہ وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر علم حاصل کیا، مشرق و مغرب کے فلسفے پڑھے، قدیم و جدید سب کا مطالعہ کیا ـــــــ لیکن بالآخر اس کے ذہن کو سکون ملا تو صرف قرآن حکیم سے، اور اس کی علم کی پیاس کو آسودگی حاصل ہو سکی تو صرف کتاب اللہ سے، گویا بقول خود ان کے ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

کیا اس دَور میں قرآن حکیم کے "ھُدًی لِّلنَّاس" ہونے کے لیے کسی اور دلیل کی حاجت باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا یہ کافی ثبوت نہیں ہے اس کا کہ قرآن ہر دَور اور ہر ذہنی سطح کے انسان کی فکری رہنمائی کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے؟

۲: واقفِ مرتبہ و مقامِ قرآن

اور اسی کا ایک عکس سمجھیے اس حقیقت کو کہ اس دَور میں عظمتِ قرآن اور مرتبہ و مقامِ قرآن کا انکشاف بھی جس شدت کے ساتھ اور جس درجہ میں علامہ اقبال پر ہوا، شاید ہی کسی اور پر ہوا ہو! اس لیے کہ عظمتِ قرآنی کا انکشاف بہرحال کسی شخص پر اس کے اپنے ظرفِ ذہنی کی وسعت اور عُمق کی نسبت ہی سے ہو سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ جب قرآن کا ذکر کرتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ع "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" کے مصداق وہ فی الواقع جمال و جلالِ قرآنی کا مشاہدہ اپنے قلب کی گہرائیوں سے کر رہے ہیں اور جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ شنید نہیں، دید پر مبنی ہے، بلکہ ایسے لگتا ہے جیسے ان کا پورا وجود کلامِ پاک کی عظمت کے بارِ گراں سے "خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا" ہوا جا رہا ہے، عظمتِ قرآنی کا احساس و ادراک ان کے ریشے ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور ان کا ہر بُن مُو قرآن کی جلالتِ قدر اور رفعتِ شان کے ترانے گا رہا ہے۔ ذرا گوشِ ہوش سے سنیے:

آں کتابِ زندہ، قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم (۲۷)
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات (۲۸)
حرفِ او را ریب نے، تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے (۲۹)
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃٌ لِّلعالمیں (۳۰)

© rasailojaraid.com

رہزناں از حفظِ او رہبر شدند[1] — از کتابے صاحبِ دفتر شدند (۳۱)

آنکہ دوشِ کوہ بارش برنتافت — سطوتِ او زہرۂ گردوں شگافت (۳۲)

اور سوچیے کہ کیا اس کلام میں دُور دُور بھی کسی آورد کا سراغ ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آمد ہی آمد ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ قال کا قول نہیں، حال ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ "از دل خیزد بر دل ریزد" کی اعلیٰ مثال ہے۔

اور اسی پہ بس نہیں، آگے بڑھیے اور سنیے:

؎ فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است (۳۳)

مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں — زندہ و پایندہ و گویا ست ایں (۳۴)

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست (۳۵)

© rasailojaraid.com

بات کتنی سیدھی اور سادہ معلوم ہوتی ہے، قرآن عام معروف معنوں میں کتاب نہیں یہ اللہ کا کلام ہے اور کلام خود متکلّم کی صفت اور اس کی جملہ صفات کا مظہر ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن مثلِ ذاتِ باری تعالیٰ 'ظاہر' بھی ہے اور 'باطن' بھی اور 'زندہ' بھی ہے 'قائم و دائم' بھی۔ پھر نہ ذاتِ باری زمان و مکان کی مقیّد ہے نہ کلامِ الٰہی ان کا پابند، بلکہ جیسے خود اللہ تعالیٰ 'اوّل' بھی ہے اور 'آخر' بھی اور زمان و مکان کُل کے کُل وجودِ باری میں "گُم" ہیں، اسی طرح کلامِ الٰہی کے بھی "صیدِ زبوں" کا درجہ رکھتے ہیں اور جس طرح اللہ کی شان یہ ہے کہ "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ" اسی طرح قرآن حکیم بھی ہر دور کے افق پر ایک خورشیدِ تازہ کے مانند طلوع ہوتا رہے گا! لیکن واقعہ یہ ہے کہ کم از کم میرے محدود علم اور مطالعے میں قرآن حکیم کی اس سے زیادہ مدح و ستائش ہماری پوری تاریخ میں موجود نہیں۔! اب ظاہر ہے کہ تعریف معرفت کی مناسبت ہی سے کی جاسکتی ہے۔ بس اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ عظمتِ قرآنی کے کتنے بڑے عارف تھے علامّہ اقبال مرحوم!

اور یہیں سے سمجھ میں آسکتی ہے یہ بات کہ کیوں اس قدر دُکھ تھا علامّہ مرحوم کو اُمّت کی قرآن مجید کی جانب عدمِ توجّہ کی روش سے، جس کا مرثیہ ان کے کلام میں جابجا موجود ہے، اور کیوں ان کا

---

[1] جس کی سب سے تابندہ مثال حضرت ابوذر غفاری ہیں، رضی اللہ عنہ!

© rasailojaraid.com

دلِ حسّاس خون کے آنسو روتا ہے اس پر کہ مسلمانوں کو، عام اس سے کہ وہ عوام میں سے ہوں یا خواص میں سے، قرآن سے نہ اعتنا رہے نہ دلچسپی! غور فرمایئے کہ کتنی تلخی ہے علّامہ کے اس شعر میں کہ :-

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست!
کہ از یاسینِ اُو آساں بمیری!! (۳۶)

اور کس قدر صحیح نقشہ کھینچا ہے علّامہ مرحوم نے اُمّتِ مسلمہ کے مختلف طبقات کا :-

صوفیٔ پشمینہ پوشِ حال مست ۔۔۔ از شرابِ نغمۂ قوّال مست! (۳۷)
آتش از شعرِ عراقی در دِلش ۔۔۔ در نمی سازد بقرآں محفلش (۳۸)
واعظِ دستاں زنِ افسانہ بند ۔۔۔ معنیٔ او پست و حرفِ اُو بلند (۳۹)
آں خطیب و دیلمی گفتارِ او ۔۔۔ با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ اُو (۴۰)

رہے "فقیہانِ حرم" تو ان کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ :-

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں ۔۔۔ ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

لہٰذا اب عوام کا تو کہنا ہی کیا، وہ غریب تو ہیں ہی "کشتۂ مُلّائی و سلطانی و پیری"! ان کی عظیم اکثریت بے ذوق بھی ہے اور بے طلب بھی، اور بقول علّامہ مرحوم :-

صاحبِ قرآں و بے ذوقِ طلب! ۔۔۔ العجب، ثمّ العجب، ثمّ العجب! (۴۱)

اور ظاہر ہے کہ یہاں طلب سے مراد تعمیرِ خودی کی طلب بھی ہے اور غلبۂ حق کی آرزو بھی، اس لیے کہ فی زمانہ یہی دونوں نایاب ہیں اور انہی کا حال یہ ہے کہ :-

آرزُو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!

رہی دنیوی آرزوؤں اور طولِ امل کا حال تو اس میں تو ہر شخص ہی ع "کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا" کے مصداق بُری طرح جکڑا ہوا ہے۔

ملّتِ اسلامی کے اس حالِ زبوں کے بارے میں علّامہ فرماتے ہیں:

پیشِ مایک عالمِ فرسودہ است ۔۔۔ ملّت اندر خاکِ اُو آسودہ است (۴۲)

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

رفت سوزِ سینۂ تاتار و کُرد یا مُسلماں مُرد یا قرآں بمرد! (۴۳)

۳: داعی اِلی القرآن

علّامہ مرحوم کے نزدیک قرآن سے یہی دُوری اور کتابِ الٰہی سے یہی بُعد اصل سبب ہے مسلمانوں کے زوال و اضمحلال کا اور اُمّتِ مسلمہ کے نکبت و افلاس اور ذلّت و خواری کا! جوابِ شکوہ میں یہ بات انہوں نے حد درجہ سادہ الفاظ میں فرمائی تھی کہ :-

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہوکر اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

بعد میں اُس کا اعادہ نہایت پُرشکوہ الفاظ اور حد درجہ درد انگیز اور حسرت آمیز پیرائے میں یوں کیا کہ:

خوار از مہجوری[1] قرآں شدی شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی (۴۴)

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ در بغل داری کتابِ زندۂ (۴۵)

اور یہی اُن کے نزدیک اس "کتابِ زندہ" سے وابستہ ہے ان کا 'احیا' اور اسی پر دار و مدار ہے ان کی نشاۃِ ثانیہ کا! گویا مسلمانوں کی حیاتِ تازہ کا انحصار ہے ان کے از سرِ نو حقیقتاً مسلمان ہونے پر اور ان کے مسلمان ہونے کا دار و مدار ہے قرآن حکیم پر ——— یا یُوں کہہ لیں کہ ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ وابستہ ہے 'احیائے اسلام' سے اور احیائے اسلام وابستہ ہے 'احیائے قرآن' سے جو عبارت ہے مسلمانوں کے اس کے ساتھ صحیح تعلق کی از سرِ نو استواری سے! علامہ فرماتے ہیں:

اے گرفتارِ رسوم ایمانِ تو شیوہ ہائے کافری زندانِ تو! (۴۶)

قطع کردی امرِ خود را در زُبُر جادہ پیمائی اِلیٰ شَیءٍ نُکُر (۴۷)

گر تو می خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بقرآں زیستن (۴۸)

از تلاوت بر تو حق دارد کتاب

تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب (۴۹)

علّامہ کے نزدیک علم ہے تو صرف علمِ قرآنی اور حکمت ہے تو صرف حکمتِ قرآنی اور یہی

---

[1] مہجوری کا لفظ استعمال کر کے علامہ قاری کے ذہن کو قرآن مجید کی اس آیت کی طرف منتقل کرنا چاہتے ہیں :-

وَقَالَ الرَّسُولُ يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○ (الفرقان آیت ۳۰)

© rasailojaraid.com

علم و حکمتِ قرآن ہے جو اگر کسی کے ذہن میں سرایت کر جائے اور قلب میں رچ بس جائے تو اس کے باطن میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے جو منتج ہوتا ہے ظاہر کے انقلاب پر اور یہی وہ عمل ہے جو بالآخر ایک عالمی انقلاب کو جنم دے سکتا ہے۔ علّامہ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم وہ کتاب ہے کہ :

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شُد، جہاں دیگر شود (۵۰)

اور کس خوبصورتی سے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اس قرآن کے ذریعے ایک عالمگیر انقلاب برپا کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاؤ :

بندۂ مومن ز آیاتِ خداست — ایں جہاں اندر بر او چوں قباست! (۵۱)
چوں کہن گردد جہانے در برش — می دہد قرآں جہانے دیگرش (۵۲)
یک جہانے عصرِ حاضر را بس است! — گیر اگر در سینہ دل معنی رس است ! (۵۳)

اور ہمیں للکارتے اور غیرت دلاتے ہیں کہ :

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم — تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم؟ (۵۴)
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کُن — نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کُن ! (۵۵)

علّامہ کے نزدیک تطہیرِ ذہن اور تعمیرِ فکر کا واحد ذریعہ تو یہ ہے ہی کہ "اسرارِ دیں" فاش کیے جائیں اور نوعِ انسانی کے سامنے "نکتہ ہائے شرعِ مبیں" کی وضاحت کی جائے، خود تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کا کارگر اور مؤثّر ذریعہ بھی قرآن حکیم ہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

کشتنِ ابلیس کارے مشکل است — زانکہ او گم اندر اعماقِ دل است (۵۶)
خوشتر آں باشد مسلمانش کُنی — کشتۂ شمشیرِ قرآنش کُنی (۵۷)

اور

جز بقرآں ضیغمی روباہی است — فقرِ قرآں اصلِ شاہنشاہی است (۵۸)
فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر — فکر را کامل ندیدم جز بذکر (۵۹)

لیکن یہ ذکر صرف زبان سے ہی نہیں پورے وجود سے ہونا چاہیے :

ذکر؟ ذوق و شوق را دادن ادب — کارِ جان است ایں نہ کارِ کام و لب (۶۰)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

الغرض علامہ کے نزدیک اُمّت کے جملہ امراض کے لیے نسخۂ شفا بھی قرآن حکیم ہے اور ملت کے تن مردہ میں از سرِ نو جان ڈالنے کے لیے آبِ حیات بھی چشمۂ قرآنی ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات — در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات (۶۱)
می دہد ما را پیامِ لَا تَخَفْ — می رساند بر مقامِ لَا تَخَفْ (۶۲)
گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام — شرح رمزِ صِبْغَةَ اللہ گفتہ ام (۶۳)
فکرِ من گردوں مسیر از فیضِ اوست — جوئے ساحل ناپذیر از فیضِ اوست (۶۴)

پس بگیر از بادۂ من یک دو جام
تا درخشی مثلِ تیغِ بے نیام! (۶۵)

اور

از یک آئینی مسلماں زندہ است — پیکرِ ملّت ز قرآں زندہ است! (۶۶)
ما ہمہ خاک و دلِ آگاہ اوست — اعتصامش کن کہ حَبْلُ اللہ اوست (۶۷)

چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو!
ورنہ مانندِ غبار آشفتہ شو! (۶۸)

گویا احیائے دین کی جدّوجہد ہو یا تجدیدِ ملّت کی سعی، علامہ مرحوم کے نزدیک اس کا مرکز و محور ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ ہے قرآن حکیم، اور یہی معنی ہیں قرآن حکیم کی اس آیت کے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے طریقِ کار اور منہجِ انقلاب کی وضاحت کے ضمن میں معمولی سے لفظی فرق کے ساتھ قرآن مجید میں چار مقامات پر وارد ہوئی ہے یعنی: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور یہی ہے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے کرنے کا وہ اصل کام[1] جس پر ایک طویل عرصے تک اِدھر اُدھر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بالآخر میری نگاہ جم گئی ہے کہ "جا ایں جا است"!

---

[1] یہ دراصل نام ہے میرے ایک کتابچے کا جو میری اُس تحریر پر مشتمل ہے جو میں نے جون ۱۹۶۷ء میں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.c

آخر میں، میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا اور ساتھ ہی آپ سب کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری ان گزارشات کو صبر اور سکون کے ساتھ سنا۔ خود میں نے جو محنت اس سلسلے میں کی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کے بقاء و استحکام ملتِ اسلامی کی تجدید و نشاۃِ ثانیہ اور دینِ حق کے احیاء و اظہار[1] ایسے اہم اور جلیل مقاصد کے ضمن میں علامہ اقبال کے فکر اور پیغام کی اشاعت کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے اور پاکستانی عوام میں بالعموم اور نوجوان نسل میں بالخصوص جو بُعد رفتہ رفتہ علامہ مرحوم کی شخصیت اور افکار و نظریات سے پیدا ہوتا جا رہا ہے، حالات کا ایک شدید تقاضا ہے کہ اسے کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ آپ چاہیں تو اسے "احیائے اقبال" کا نام دے لیں۔ بہرحال یہ وقت کی ایک اہم ضرورت اور اسی کی ایک حقیر سی سعی ہے جو میں نے کلامِ اقبال سے یہ مواد جمع کر کے مرتب صورت میں آپ کے سامنے پیش کر کے کی ہے۔

بہرحال اگر میری ان گزارشات سے آپ میں سے کسی ایک کے دل میں بھی یہ جذبہ بیدار ہو جائے اور ایک عزمِ مصمم پیدا ہو جائے کہ وہ قرآن ہاتھ میں لے کر ایک عالمگیر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو، تب تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت پوری طرح پھل ہو گئی اور گویا "شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم!" اور اگر بدرجۂ ادنیٰ میری ان گزارشات سے آپ حضرات کے دلوں میں کلامِ اقبال کے مطالعے ہی کا شوق بیدار ہو جائے تب بھی میں یہ جانوں گا کہ میری محنت کم از کم ضائع نہ ہوئی۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

'میثاق' کے صفحات میں لکھی تھی اور جو میری موجودہ سرگرمیوں کے لیے بمنزلہ اساس ہے۔ اس کے اب تک آٹھ ایڈیشن "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ برادرِ عزیز ڈاکٹر ابصار احمد سلمہ نے کیا ہے، جسے مکتبۂ انجمن نے شائع کیا ہے۔ (اسرار احمد)

[1] هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ
(التوبۃ: ۳۳، الفتح: ۲۸، الصف: ۹)

© rasailojaraid.com

ضمیمہ

اُردُو ترجمہ اشعارِ فارسی

(۱) ایک برہمن زادہ (یعنی علامہ اقبال خود) رومؔ (مراد ہیں مولانا رومیؔ) اور تبریزیؔ (مراد ہیں شمس تبریزیؔ) کے علوم کا حامل اور ان کے اسرار و رموز سے واقف ہے۔

(۲) و (۳) مثنویٔ مولویٔ معنوی یعنی مثنوی مولانا رومؔ دراصل فارسی زبان میں قرآن ہی کی ترجمانی ہے اور میں ان (مولانا رومؔ) کی صفات اس کے علاوہ اور کیا بیان کروں کہ وہ اگرچہ پیغمبر نہیں ہیں لیکن انہیں کتاب بہرحال عطا ہوئی ہے۔

(۴تا۶) اگر میرے دل کی مثال اس آئینے کی سی ہے جس میں کوئی جوہر ہی نہ ہو، اور اگر میرے کلام میں قرآن کے سوا کسی اور کی ترجمانی ہے تو (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے فکر کے ناموس کا پردہ خود چاک فرمادیں اور اس چمن کو مجھ ایسے خار سے پاک کردیں (مزید برآں) حشر کے دن مجھے خوار و رسوا کردیں اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) مجھے اپنی قدم بوسی کی سعادت سے محروم فرمادیں!

(۷) تو ابھی اس راز سے آگاہ نہیں ہوا کہ وصل سے شوق ختم ہوجاتا ہے۔ (کاش کہ تو جان لے کہ) ہمیشہ کی زندگی کیا ہے؟ مسلسل سلگتے رہنا! (نہ کہ ایک بار بھڑک کر ختم ہوجانا!)

(۸) ہماری بقا سلگتے رہنے ہی میں ہے۔ اور ہم پر مچھلی کی طرح تڑپتے رہنے کے سوا ہر شے حرام ہے۔

(۹) جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی دولت حاصل ہے تو گویا دنیا کا کُل خشک وتر اس کے دامن کے ایک گوشے میں موجود ہے۔

(۱۰) خود کو درِ مصطفٰے تک پہنچا کر دم لو۔ اس لیے کہ اگر تم اس مقام تک نہ پہنچ سکے تو سمجھ لو کہ پھر بولہبی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آسکے گا!

(۱۱) اے میرے جذبۂ عشق، اے میری عزیز متاع اور اے میرے جملہ امراض کے معالج، تو سدا شاد و آباد رہے!

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

(۱۲) و (۱۳) اس کے (یعنی بندۂ مومن) کے دل میں یہ حقیقت جاگزیں ہے کہ "تمام اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"! اسی طرح جذبۂ حریت بھی اس کے ضمیر میں رچا بسا ہوا ہے، وہ (نسلی، لسانی یا علاقائی) امتیازات سے بالکل ناواقف ہے اور مساوات اس کی سرشت میں موجود ہے!

(۱۴) یہ (میرا جملہ مال و اسبابِ دنیوی) میرے پاس ایک عارضی امانت ہے، ورنہ ہر شے کا مالکِ حقیقی تو خدا ہی ہے!

(۱۵) شریعتِ حقہ اور نظامِ اسلامی کا اصل مقصود یہی ہے کہ دنیا میں کوئی کسی کا محتاج نہ رہے۔

(۱۶) (جانتے ہو؟) قرآن کی حقیقت کیا ہے؟ سرمایہ دار کے لیے موت کا پیغام اور بے سرو سامان لوگوں کا سہارا و آسرا!

(۱۷) دولت سمیٹنے والے سے کسی بھلائی کی توقع نہ کرو۔ (اس لیے کہ قرآن نے صاف فرمادیا ہے کہ) تم نیکی کا مقام ہرگز حاصل نہیں کرسکتے جب تک (بجائے سمیٹنے اور جمع کرنے کے) خرچ کرنے کی عادت نہ ڈالو!

(۱۸) سُود سے سوائے فساد کے اور کس چیز میں اضافہ ہوسکتا ہے؟ (افسوس کہ) بغیر سُود قرض دینے کی لذّت کسی کو معلوم نہیں!

(۱۹) سُود سے رُوح تاریک اور دل اینٹ پتھر کی طرح سخت ہوجاتا ہے اور انسان بغیر دانتوں اور پنجوں کے درندہ بن جاتا ہے۔

(۲۰) زمین سے اپنے لیے رزق کا حصول جائز ہے۔ (لیکن) یہ انسان کے لیے صرف استعمال کی چیز ہے، ملکیت صرف خدا کی ہے۔

(۲۱) بندۂ مومن (اپنے مال و متاع کا صرف) امین ہے، مالک خدا ہے۔ خدا کے سوا جو کچھ دیکھتے ہو سب فانی اور ہلاک ہوجانے والا ہے!

(۲۲) حق کا پرچم بادشاہوں کے باعث نیچا ہوجاتا ہے اور ان کی وجہ سے بستیاں کی بستیاں خوار و بدحال ہوجاتی ہیں۔

(۲۳) ہمارا آب و دانہ ایک ہی دسترخوان سے ہے۔ اس لیے کہ آدم کا پورا خاندان ایک

© rasailojaraid.

جان کے مانند ہے۔

(۲۴) جب اس دنیا میں قرآنی تعلیمات کا سکہ چلا تو کہانت اور پاپائیت ایسے تمام گمراہ کن سلسلوں کا زور ٹوٹ گیا۔

(۲۵) مسلمانوں سے کہو کہ جان ہتھیلی پر رکھ لیں (یعنی قتال فی سبیل اللہ کے لیے کمر کس لیں) اور جو کچھ بھی ضرورت سے زائد ہو وہ سب (اللہ کی راہ میں) دے ڈالیں!

(۲۶) (لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوسکتا اس لیے کہ) ہماری محفل ساقی اور شراب سے تہی دست رہ گئی ہے یعنی قرآن کے ساز کی صرف آواز ہی آواز باقی رہ گئی ہے!

(۲۷) وہ زندہ کتاب 'قرآن حکیم' جس کی حکمت لازوال بھی ہے اور قدیم بھی!

(۲۸) زندگی کے وجود میں آنے کے رازوں کا خزینہ۔ جس کی حیات افروز اور قوت بخش تاثیر سے بے ثبات بھی ثبات و دوام حاصل کر سکتے ہیں۔

(۲۹) اس کے الفاظ میں نہ کسی شک و شبہ کا شائبہ ہے نہ ردّ و بدل کی گنجائش۔ اور اس کی آیات کسی تاویل کی محتاج نہیں۔

(۳۰) نوعِ انسانی کے لیے (خدا کا) آخری پیغام۔ جس کے لانے والے تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار پائے (صلی اللہ علیہ وسلم!)

(۳۱) اسے یاد کر لینے کے باعث یا اس کی حفاظت میں آ کر رہزن اور لٹیرے رہبر و رہنما بن گئے اور اس ایک کتاب کے طفیل وہ خود بہت سی کتابوں کے مصنّف بن گئے!

(۳۲) وہ (کتاب) کہ جس کے بوجھ کو پہاڑ بھی نہ اٹھا سکے اور جس کے دبدبے سے آسمان کا پتّہ بھی پھٹ کر رہ گیا!

(۳۳) (اس کتاب کے بارے میں) جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں، حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے!

(۳۴) یہ ذاتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ (کا کلام ہے لہٰذا اسی) کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی!

(۳۵) اس کی آیتوں میں سینکڑوں تازہ جہان آباد ہیں اور اس کے ایک ایک لمحے میں بے شمار

© rasailojaraid.c

زمانے موجود ہیں!

(۳۶) (لیکن افسوس کہ اے مسلمان!) تجھے اس کی آیات سے اب اس کے سوا اور کوئی سروکار نہیں رہا کہ اس کی سورۂ یٰسین کے ذریعے موت کو آسان کرلے!

(۳۷) ادنیٰ لباس میں ملبوس اور اپنے حال میں مست صوفی قوّال کے نغمے کی شراب ہی سے مدہوش ہے!

(۳۸) اس کے دل میں عراقی کے کسی شعر سے تو آگ سی لگ جاتی ہے لیکن اس کی محفل میں قرآن کا کہیں گزر نہیں!

(۳۹) (دوسری طرف) واعظ کا حال یہ ہے کہ ہاتھ بھی خوب چلاتا ہے اور سماں بھی خوب باندھ دیتا ہے اور اس کے الفاظ بھی پرشکوہ اور بلند و بالا ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے نہایت پست اور ملکے!

(۴۰) اس کی ساری گفتگو (بجائے قرآن کے) یا تو خطیب بغدادیؒ سے ماخوذ ہوتی ہے یا امام دیلمیؒ سے اور اس کا سارا سروکار بس ضعیف، شاذ اور مُرسَل حدیثوں سے رہ گیا ہے!

(۴۱) کوئی صاحبِ قرآن ہو اور پھر بھی اس میں نہ جذبہ ہو نہ حوصلہ و امنگ، یہ کتنی تعجّب خیز اور حیرت آمیز بات ہے!!

(۴۲) ہمارے سامنے ایک پرانا اور گھسا پٹا عالم ہے اور ملّتِ اسلامی اس کی خاک نشینی ہی میں آسودگی محسوس کر رہی ہے۔

(۴۳) (مسلمان اقوام مثلاً) مغلوں اور کُردوں کے سینے حرارت سے کیوں خالی ہو گئے ہیں؟ آیا مسلمان پر موت طاری ہو گئی ہے یا خود قرآن ہی کے حیات بخش سوتے خشک ہو گئے ہیں!

(۴۴) (اے مسلمان!) تیری ذلّت اور رسوائی کا اصل سبب تو یہ ہے کہ تو قرآن سے دُور اور بے تعلق ہو گیا ہے لیکن تو اپنی اس زبوں حالی پر الزام گردشِ زمانہ کو دے رہا ہے!

(۴۵) اے وہ قوم کہ جو شبنم کے مانند زمین پر بکھری ہوئی ہے (اور پاؤں تلے روندی جا رہی ہے!) اٹھ کہ تیری بغل میں ایک کتابِ زندہ موجود ہے! (جس کے ذریعے تو دوبارہ بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہے!)

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

(۴۶) اے مسلمان! تیرا ایمان رسومات کے بندھنوں میں جکڑا ہوا ہے اور تو خود کفر کے طور طریقوں کے زندان میں اسیر و مقید ہے!

(۴۷) تو نے اپنی وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کر لیا ہے اور اب ایک خوفناک انجام کی طرف تیزی سے رواں دواں ہے!

(۴۸) (اب) اگر تو (دوبارہ) مسلمان ہو کر جینے کا خواہش مند ہے تو (اچھی طرح جان لے کہ) اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنی حیاتِ نو کی بنیاد قرآن پر قائم کرے!

(۴۹) اس کتاب کا حقِ تلاوت تم ادا کر دو۔ پھر جو مقصد و مطلب چاہو حاصل کر لو۔

(۵۰) (یہ کتاب حکیم) جب کسی کے باطن میں سرایت کر جاتی ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور جب کسی کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے تو اس کے لیے پوری دنیا ہی انقلاب کی زد میں آ جاتی ہے!

(۵۱) بندۂ مومن آیاتِ خداوندی میں سے ہے اور اِس عالَم کی حیثیت بس ایسی ہے جیسی اس کے لباس میں ایک قبا۔

(۵۲) جب اس کے لباس کی کوئی قبا یعنی کوئی عالَم پرانا ہو جاتا ہے تو قرآن اسے ایک جہانِ نو عطا فرما دیتا ہے۔

(۵۳) عصرِ حاضر کو بھی بس ایک ایسا ہی جہانِ نو درکار ہے (جو قرآن سے ماخوذ اور مستنبط ہو!)۔

اے مسلمان اگر تیرے سینے میں ایک ایسا دل ہے جو معانی کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہو تو (مجھ سے) یہ راز کی بات حاصل کر لے!

(۵۴) اے وہ شخص یا قوم جسے حاملِ قرآنِ عظیم ہونے پر فخر ہے، آخر کب تک حجروں اور گوشوں میں دبکے رہو گے؟

(۵۵) (اُٹھو اور) دنیا میں دینِ حق کے اسرار و رموز کو عام کرو اور شریعتِ اسلامی کے رموز و حِکَم کی تشہیر و اشاعت کے لیے سرگرم ہو جاؤ۔

(۵۶) شیطان کو بالکل ہلاک کر دینا ایک نہایت مشکل کام ہے، اس لیے کہ اس کا بسیرا نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ہے!

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co

(۵۷) بہتر صورت یہ ہے کہ اسے قرآن حکیم کی (حکمت و ہدایت) کی شمشیر سے گھائل کر کے مسلمان بنا لیا جائے!

(۵۸) قرآن کے بغیر شیر بھی گیدڑ بن جاتا ہے اور اصل بادشاہی قرآن کے تعلیم کردہ فقر میں ہے۔

(۵۹) جانتے ہو یہ قرآن کا فقر کیا ہے؟ یہ ذکر اور فکر دونوں کے جمع ہونے سے وجود میں آتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ بغیر ذکر کے فکر کامل نہیں ہو سکتا۔

(۶۰) (لیکن یہ بھی جان لو کہ ذکر کی حقیقت کیا ہے) ذکر اصل میں ذوق و شوق کو صحیح راہ پڑ ڈالنے کا نام ہے۔ یہ محض زبان اور ہونٹوں کا وظیفہ نہیں بلکہ کامل وجود اور پوری ہستی کے ساتھ کرنے کا کام ہے۔

(۶۱) (اے مسلمان) اگر دوام و ثبات اور قوّت و استحکام کا طالب ہے تو قرآن کے سامنے دستِ سوال دراز کر۔ اس لیے کہ مجھے قرآن ہی کے مخفی چشموں میں آبِ حیات کا سراغ ملا ہے!

(۶۲) یہ محض بے خوفی کا پیغام ہی نہیں دیتا، بالفعل اس مقام تک پہنچا بھی دیتا ہے جہاں نہ خوف باقی رہتا ہے (نہ حزن!)

(۶۳) میں نے قرآن کے بحرِ بیکراں کے موتی بیندھ لیے ہیں اور "صِبغۃ اللہ" کے اسرار و رموز کی شرح بیان کر دی ہے۔

(۶۴) میرے فکر کی یہ بلندی اور گردوں نوردی سراسر قرآن ہی کے فیض سے ہے اور اسی کے طفیل میرے خیالات میں بحرِ بیکراں کی سی وسعت پیدا ہو گئی ہے۔

(۶۵) پس (اگر خدا توفیق دے تو) میری شراب کے ایک دو جام چڑھا لے یعنی میرے فکر اور پیغام سے سرشار ہو کر آمادۂ عمل ہو جا تا کہ تو شمشیرِ برہنہ کے مانند چمکنے لگے!

(۶۶) وحدتِ آئین ہی مسلمان کی زندگی کا اصل راز ہے اور ملّتِ اسلامی کے جسدِ ظاہری میں روحِ باطنی کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔

(۶۷) ہم تو سرتاپا خاک ہی خاک ہیں، ہمارا قلبِ زندہ اور ہماری روحِ تابندہ تو اصل میں قرآن ہی ہے

(۶۸) (اے ملّتِ اسلامی!) اب بھی وقت ہے کہ تو اپنے آپ کو موتیوں کی طرح قرآن کے رشتے میں بیندھ اور پرو لے۔ ورنہ پھر اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ خاک اور دھول کے مانند پریشان اور منتشر (اور ذلیل و خوار) رہ!

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c